OPEN ACCESS
Al-Nasr
ISSN (Online): 2958-9398
ISSN (Print): 2959-1015
https://alnasrjournal.com

اصول تفسیر پر لکھے گئے مضامین ومقالات کا تعارفی وتجزیاتی مطالعہ

Introductory and analytical study of articles and papers written on Usul Tafsir

Sumayya Ather

Lecturer, Department of Islamic Studies, University of Sargodha

Qamar Zaman

Lecturer, Department of Islamic Studies, Superior College M.B.Din.

Abstract

The Holy Quran is such a great book that has the honor of being the inspired word of Allah Almighty. Reading it brings reward and acting upon it brings salvation. But in order to act upon it, it is necessary to have a correct understanding of this book. And for its correct understanding, knowledge of the sciences related to it is very important. One of the means of understanding the Quran is also the interpretation of the Quran, through which one can gain access to the secrets and symbols hidden in it by knowing them. In each era, commentators wrote interpretations according to their special taste and focus. Due to which the scope of interpretation and Quranic sciences continued to expand. If we look at the interpretations of the scholars of the second century, they will only be seen to contain the sayings of the companions and followers, but after that, the sciences of interpretation only increase in each era. The principles of interpretation hold a special place in the interpretation of the Quran. It is very important for a teacher teaching the Quran to be well aware of the principles of interpretation because the Quran is a comprehensive text. It is very important to know all these principles

CC BY

for its interpretation. Which have been determined by the scholars of the nation. Sheikh Islam Imam Ibn Taymiyyah's "Introduction to the Principles of Interpretation" and Shah Waliullah's book "Al-Fawz Al-Kabir" are very important books regarding the principles of interpretation.

Keywords: The Holy Quran, its interpretation (tafsir), principles of interpretation (usul al-Tafsir), and key scholars like Ibn Taymiyyah and Shah Waliullah.

تمہید:

قرآن مجید ایک ایسی عظیم الشان کتاب ہے جسے اللہ تعالی کے الہامی کلام ہونے کا شرف حاصل ہے۔اس کا پڑھنا باعث اجر اور عمل کرنا باعث نجات ہے۔ لیکن اس پر عمل کرنے کے لیے اس کتاب کا صحیح فہم ہونا ضروری ہے۔اور اس کے صحیح فہم کے لیے اس سے متعلقہ علوم کی معرفت نہایت ضروری ہے۔ قرآن کی سمجھ بوجھ کا ایک ذریعہ قرآن کی تفسیر بھی ہے جس کے توسط سے اس میں چھپے ہوئے اسرار و رموز کو جان کر ان تک رسائی حاصل کی جاسکتی ہے۔

ہر دور میں مفسرین نے اپنے خصوصی ذوق اور توجہ کے مطابق تفاسیر لکھی۔ جس سے تفسیر اور علوم قرانی کا دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا۔ دوسری صدی کے علماء کی تفاسیر پر نظر ڈالی جائے تو وہ صرف اقوال صحابہ و تابعین پر مشتمل نظر آئیں گی مگر اس کے بعد ہر دور میں علوم تفسیر میں اضافہ ہی نظر آتا ہے۔

تفسیر قرآن میں اصول تفسیر ایک خاص مقام رکھتے ہیں قرآن کا درس دینے والے استاد کے لیے نہایت ضروری ہے کہ وہ تفسیر کے اصولوں سے اچھی طرح باخبر ہو کیونکہ قرآن ایک جامع کلام ہے اس کی تفسیر کے لیے ان تمام اصولوں کو جانا نہایت ضروری ہے۔جو علمائے ملت نے متعین کیے ہیں۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کا "مقدمہ فی اصول التفسیر" اور شاہ ولی اللہ کی کتاب "الفوز الکبیر" اصول تفسیر کے حوالے سے نہایت اہم کتابیں ہیں۔

اصول کے لغوی واصطلاحی معنی:

اصول اصل کی جمع ہے جس کے لغوی معنی طور طریقے، قرینے، ڈھنگ اور رسم و رواج کی ہیں۔

اصطلاح میں اس سے مراد ہے مسائل دینی میں فقیہ یا امام کے فتوے، احکام شرع، بنیادی باتیں جن سے ضمنی مسائل یا فروعات پیدا ہوں۔ خصوصا کسی علم یا فن کے کلیات و مسلمات [1].

تفسیر کے لغوی اور اصطلاحی معنی:

لفظ تفسیر عربی زبان کا لفظ ہے اس کا (مادہ معینی) فسر ہے۔ یہ باب تفصیل کا مصدر ہے اس کے معنی ہیں واضح کرنا، کھول کر بیان کرنا، وضاحت کرنا، مراد بتانا اور بے حجاب کرنا ہے۔ اصطلاح میں قرآن کی تشریح و وضاحت کے علم کو تفسیر کہتے ہیں اور تفسیر کرنے والے کو مفسر۔ علامہ زرکشی نے اس کی مختصر تعریف یوں نقل کی ہے۔

> وہ ایسا علم ہے جس سے قرآن کریم کی سمجھ حاصل ہو اور اس کے معنی کی وضاحت اور اس کے احکام اور حکمتوں کو نکالا جا سکے۔[2]

قرآن مجید کی تفسیر و تشریح ایک نہایت اہم ذمہ داری اور بہت مشکل کام ہے۔ کیونکہ قرآن اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا کلام ہے اور قرآن کی تفسیر دراصل اللہ کے احکامات کی تشریح ہے جس میں ہم معانی و مطالب کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ قرآن کریم کی تفسیر ہی دراصل وہ ذریعہ ہے جس سے عقائد و عبادات، معاملات و معاشرت، جائز و ناجائز اور حلال و حرام کی حد بندی ہوتی ہے۔ اخلاقی اقدار جنم لیتی ہیں اور اسلام کا بین الاقوامی قانون وجود میں آتا ہے۔ قرآن کی تفسیر کے لیے علوم تفسیر کا جاننا نہایت ضروری ہے۔ کسی بھی آیت کی تفسیر اپنی رائے سے کرنے والا نہ صرف خود گنہگار ہے بلکہ دوسروں کی بھی گمراہی کا ذمہ دار ہے۔

امام حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

> "عجمیوں کو اس بات نے ہلاک کر دیا کہ ان میں سے کوئی قرآن مجید کی آیت پڑھتا ہے اور وہ اس کے معنی سے جاہل ہوتا ہے تو وہ اپنی اسی جہالت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھنا شروع کر دیتا ہے[3]

علماء کرام کی ایک جماعت اس بات پر متفق ہے کہ جو بھی شخص ان متعلقہ علوم میں مہارت رکھتا ہو جو تفسیر کے لیے ضروری ہیں اس کے لیے قرآن کریم کی تفسیر جائز ہے۔ ان میں سے چند علوم کا ذکر یہاں پر کیا جا رہا ہے:

۱۔ لغت کا علم

۲۔ نحو کا علم

۳۔ صرف کا علم

۴۔ اشتقاق کا علم

۵۔ معانی، بیان اور بدیع کا علم

۶۔ قراتوں کا علم

۷۔ اصول دین کا علم

۸۔ اصول فقہ کا علم

۹۔ اسباب نزول کا علم

۱۰ ناسخ و منسوخ کا علم

۱۱۔ مجمل اور مبہم کی تفسیر پر مبنی احادیث کا علم

ان علوم کے ارتقاءاور ان کی تفصیل سے قطع نظر ہم صرف ان اصولوں کو موضوع بحث بناتے ہیں جو قرآن کو سمجھنے میں معاون ومدد گار ہیں۔اور جن کو ملحوظ خاطر نہ رکھنے سے قرآن فہمی مشکل ہے۔

منتخب مضامین کا تعارف:

اس موضوع کے تحت مختلف تحقیقاتی شمارہ جات میں بہت سے مضامین لکھے گئے ہیں۔لیکن اس تحقیقی کام کے لیے جو مضامین منتخب کیے گئے ہیں ان کا مختصر تعارف درج ذیل ہے:

۱۔ تفسیر قرآن کے آداب، حضرت مولانا محمد یوسف، دسمبر ۲۰۱۵ء، جامعہ علوم الاسلامیہ

۲۔ تفسیر قرآن کے اصول، ۲۵ جنوری، ۲۰۱۸ء

۳۔ اصول ترجمہ و تفسیر قرآن کریم، محمد رفیق چوہدری، محدث، جنوری، ۲۰۱۳، شمارہ نمبر ۳۵۹.

۴۔ فہم قرآن کی بنیادی اصول، شیخ التفسیر مفتی محمد عبدہ الفلاح، ماہنامہ محدث، اگست ۱۹۹۹ء.

۵۔ تفسیر قرآن کا صحیح طریقہ، شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ، یہ مضمون شیخ الاسلام کی کتاب مقدمہ تفسیر کی فصل نمبر چھ اور سات پر مبنی ہے۔

۶۔ قرآن فہمی کی بنیادی اصول، مولانا عبد الغفار حسن مدظلہ، ماہنامہ محدث اپریل ۲۰۲۱ء.

۷۔ صاحب تدبر قرآن مولانا امین احسن اصلاحی کے اصول تفسیر کا علمی جائزہ، فرجاد علی، جنوری تا جون، ۲۰۱۷ء.

۸۔ سر سید احمد خان کے تفسیری اصول اور ان کا اطلاق، محمد سہیل عارف، القمر جلد ۶، شمارہ ۳، جولائی- ستمبر ۲۰۲۳

تحقیقاتی مضامین کے مطالعے سے اخذ شدہ اصولِ تفسیر:

درج بالا تحقیقی مضامین میں علماء تفسیر نے قرآن فہمی کے لیے جن چیزوں سے استفادہ کیا ہے دور حاضر میں بھی ان کی اہمیت میں اضافہ ہوا ہے۔اور ہم عجمی لوگوں کے لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ قرآن کا مطالعہ انہی اصولوں کی بنیاد پر کیا جائے تاکہ قرآن فہمی کے عمل کو اسان بنایا جاسکے۔فہم قرآن کے لیے چند بنیادی اصول ہیں جن کا علم مفسر کے لیے ضروری ہے۔ذیل میں ان اصولوں کا ایک مختصر جائزہ پیش کیا جارہا ہے:

۱۔تفسیر القرآن بالقرآن:

جمہور کے نزدیک تفسیر کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر خود قرآن سے ہی کی جائے۔یعنی یہ کہ قرآن کی کسی ایک آیت یہ لفظ کی تشریح قرآن ہی کی کسی دوسری آیت یا لفظ کی جائے۔القرآن "یفسر بعضہ بعضا " قرآن کا ایک حصہ دوسرے کی وضاحت کرتا ہے۔لہذا قرآن فہمی کے لیے یہ لازمی شرط ہے کہ خود قرآن سے ہی رہنمائی حاصل کی جائے۔علماء تفسیر نے تفسیر کے اصول میں اس کو بنیادی حیثیت دی ہے۔

چنانچہ حافظ ابن کثیر اپنے مقدمہ تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اگر ہم سے پوچھا جائے کہ قرآن فہمی کا سب سے بہتر طریق کیا ہے تو ہمارا جواب یہ ہوگا کہ اولاً قرآن کو قرآن ہی سے سمجھنے کی کوشش کی جائے"۔[4]

اسی طرح علامہ ابن تیمیہ نے بھی مختلف مقامات پر اسی اصل پر زور دیا ہے۔ آپ فتاوی میں بیان کرتے ہیں: (۱۳/ ۳۶۳)

"اصح طریق یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر قرآن ہی سے تلاش کی جائے کیونکہ قرآن میں ایک مقام پر اگر اجمال ہے تو دوسرے مقام پر اس کی تفصیل مذکور ہے اسی طرح ایک مقام پر اختصار ہے تو دوسرے مقام پر اسی مفہوم کو قدرے اطناب (طوالت) سے ذکر فرمایا گیا ہے"۔

مثال نمبر ۱:

سورۃ البقرہ میں ارشاد باری تعالی ہے:

"پس آدم نے اپنے پروردگار سے چند کلمات لے لئے۔[5]

سورۃ الاعراف میں ان کلمات کی تفصیل بیان کی جارہی ہے:

ہمارے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، اگر تو نے ہمارا گناہ معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم خسارہ پانے والے ہو جائیں گے۔[6]

مثال نمبر ۲:

سورۃ التکاثر میں ارشاد باری تعالی ہے:

"تمہیں تکاثر نے غافل کر دیا"[7]

اب سوال یہ ہے کہ یہ تکاثر کیا ہے؟ کس چیز کے حوالے سے تکاثر؟ قرآن نے اس بات کو یہاں بیان نہیں کیا بلکہ سورہ الحدید میں لفظ تکاثر کی وضاحت فرمائی ہے:

ترجمہ: خوب جان رکھو کہ دنیا کی زندگی صرف کھیل تماشہ، زینت اور آپس میں فخر و غرور اور مال و اولاد میں ایک کا دوسرے سے اپنے اپ کو زیادہ بتلانا ہے[8]

یعنی لفظ تکاثر سے مراد ہے مال اور اولاد میں مقابلہ آرائی اور فخر۔ یعنی یہ کہ اس بات پر فخر کیا جائے کہ میرے پاس زیادہ مال ہے اور اولاد کے معاملے میں بھی میں زیادہ خوش قسمت ہوں۔ تفسیر القرآن بالقرآن کی طرز پر علماء کرام نے بہت سی تفسیر لکھی ہیں۔ متاخرین میں سے حافظ ابن کثیر کی تفسیر کو اہم مقام حاصل ہے۔ جو تفسیر القرآن بالقرآن کے حوالے سے نہایت اہم تفسیر گردانی جاتی ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حافظ ابن کثیر علامہ ابن تیمیہ کے شاگرد تھے اور علامہ صاحب خود بھی اس اس طرز تفسیر کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے۔

مولانا محمد یوسف نے اپنے مضمون میں تفسیر القرآن بالقرآن کو تفسیر کا سب سے پہلا ماخذ قرار دیا ہے۔انہوں نے اس پر مختصر بات کی ہے ان کے نزدیک قرآن کریم کی کسی آیت سے ایسا مفہوم کشید کرنا جائز نہیں ہو گا جو خود قرآن کریم کی آیات کے خلاف ہو۔

"تفسیر قران کے اصول"اس مضمون میں بھی تفسیر القران بالقران کو تفسیر کا پہلا اصول قرار دیا گیا ہے۔اور صرف ایک لائن میں ہی اس کی وضاحت کی گئی ہے۔ محمد رفیق چوہدری صاحب نے "اصول ترجمہ تفسیر قران کریم" کے عنوان سے جو مضمون ماہانہ محدث میں تحریر کیا ہے اس میں انہوں نے تفسیر القران القران کو دوسرے اصول کے طور پر پیش کیا ہے۔اور مثالوں کے ذریعے اس کی وضاحت کی ہے۔جبکہ ان کے نزدیک پہلا اصول یہ ہے کہ ادمی قران کو سمجھنے کے لیے اپنے دل ودماغ کو تمام تصورات اور تعصبات سے بالکل خالی کر دے جو اس نے پہلے قائم کر رکھے ہیں۔

شیخ التفسیر مفتی محمد عبدہ الفلاح کے نزدیک بھی پہلا اصول قران کی تفسیر قران کے ذریعے ہی ہے۔اس بات کی وضاحت کے لیے مولانا نے بہت سی مثالیں بیان کی ہیں۔حافظ ابن کثیر اور علامہ ابن تیمیہ کے بیانات بھی بطور دلیل پیش کیے ہیں۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کا مضمون" تفسیر قران کا صحیح طریقہ "جو ان کی کتاب مقدمہ تفسیر کی فصل نمبر چھ اور سات مبنی ہے۔اس میں بھی انہوں نے اصول تفسیر کا پہلا اصول تفسیر القران بالقران کو قرار دیا ہے۔سورۃ النساء اور سورۃ النحل سے مثال بھی بیان کی ہے۔مولانا عبد الغفار حسن نے اپنے مضمون میں فہم قران کا پہلا ذریعہ " قران کی تفسیر قران کے ذریعے " قرار دیا ہے۔اور اس بات کی وضاحت انہوں نے تین مثالوں سے کی ہے۔

فرجاد علی صاحب کے مضمون میں اگر مولانا اصلاحی صاحب کہ اصول تفسیر کا جائزہ لیا جائے تو فہم قرآن کے حوالے سے آخری داخلی ذریعہ جو مولانا صاحب بیان کرتے ہیں وہ تفسیر القرآن بالقرآن ہے۔یعنی قرآن ایک خاص طرز اسلوب کے تحت ایک مقام پر بات کو مختصر بیان کرتا ہے اور پھر اسی موضوع کو کسی دوسرے مقام پر واضح انداز میں پیش کرتا ہے اور اس کے ساتھ اس حوالے سے اٹھنے والے تمام سوالات کے جوابات بھی دیتا ہے۔مولانا صاحب کے مطابق قرآن کریم میں کسی بھی قسم کی تکرار بے وجہ نہیں۔اگر کلام الہی میں تکرار موجود ہے تو وہ تکرار محض تکرار نہیں ہے بلکہ کسی بات کی وضاحت کے لیے یہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔چنانچہ وہ لکھتے ہیں؛

> قرآن کا یہ اسلوب ظاہر ہے کہ اسی مقصد کے لیے ہے کہ اس کی ہر بات طالب کے ذہن نشین ہو جائے۔چنانچہ میں بطور تحدیث نعمت کے یہ عرض کرتا ہوں کہ مجھ پر قرآن کی مشکلات جتنی خود قرآن سے واضح ہوئی ہیں دوسری کسی بھی چیز سے واضح نہیں ہوئی ہیں۔[9]

جہاں تک سر سید احمد خان کے تفسیری اصولوں پر اگر بات کی جائے تو سر سید احمد خان نے نقل سے زیادہ عقل پر زور دیا ہے اور عقل کے مطابق ہی تفسیر کرنے کی کوشش کی ہے۔کیونکہ ان کا دعوی ہے کہ اللہ تعالی نے کوئی بھی ایسا حکم نازل نہیں کیا جس کو انسانی عقل سمجھ نہ سکے- تفسیر کے اسلوب کے بارے میں سر سید احمد خان خود لکھتے ہیں:

> "میں نے بقدر اپنی طاقت کے خود قرآن کریم پر غور کیا اور جانا کہ قرآن کو خود ہی سمجھنا چاہیے"[10]

اگر سر سید احمد خان کے اصول تفسیر کا جائزہ لیا جائے تو سر سید کے ہاں بھی تفسیر القرآن بالقرآن کو ایک اہم اصول کے طور پر جانا جاتا ہے۔ان کے مطابق بھی قرآن کا ایک حصہ دوسرے حصے کی وضاحت کرتا ہے اور قرآن فہمی کے لیے قرآن سے بڑھ کر کوئی اور ذریعہ معتبر نہیں۔

۲۔ تفسیر القرآن بالحدیث وسنت:

جمہور کے نزدیک تفسیر قرآن کا دوسرا اہم ترین اصول یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر حدیث وسنت کے مطابق کی جائے۔ یعنی قرآن پاک کی تفسیر نبی کریمؐ کے اقوال وافعال کی روشنی میں کرنا تفسیر القرآن بالحدیث وسنت کہلاتا ہے۔خود قرآن کریم کی بہت سی آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو دنیا میں بھیجنے کا مقصد ہی یہ تھا کہ آپ اپنے اقوال وافعال اور عملی زندگی سے قرآنی آیات کی تشریح وتفسیر فرمائیں۔یعنی یہ کہ آپ تلاوت آیات کے علاوہ قرآن کی تعلیم بھی دیں اور قرآن کے معنی وطالب بھی واضح طور پر لوگوں کے سامنے پیش کریں گے۔

جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

> بے شک اللہ نے ایمان والوں پر احسان کیا کہ انہی میں سے ان کے پاس ایک رسول بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں سناتا ہے، ان کو پاک کرتا اور کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے جبکہ اس کی بعثت سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے۔[11]

حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

> اگر قرآن کی تفسیر قرآن سے نہ ملے تو سنت کی طرف رجوع کیا جائے کیونکہ سنت قرآن کی شارح ہے[12]

حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں حدیث وسنت کو درجہ دوم پر رکھا ہے۔یعنی یہ کہ اگر قرآن کی تفسیر قرآن سے نہ ملے تو سنت کی طرف رجوع کیا جائے کیونکہ سنت قرآن کی شارح ہے۔ قرآن کریم میں جس قدر ایات احکام ہیں ان کی تشریح وتفسیر کے لیے حدیث وسنت سے فرار ممکن نہیں ہے۔

ابن جریر طبری اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

> "جہاں تک قرآن میں احکام کا تعلق ہے وہ سنت کی روشنی میں ہی سمجھے جاسکتے ہیں لہذا تفسیر قرآن کے اس حصے کے لیے سنت کی طرف رجوع ناگزیر ہے"[13]

حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری نے اپنے شیخ مولانا محمد انور شاہ کا ارشاد نقل کیا ہے:

> اگر نور بصیرت کے ساتھ احادیث شریفہ پر غور کیا جائے تو نظر ائے گا کہ بہت سی احادیث قرآن کریم کے چشم صافی سے نکلی ہیں یہاں تک کہ بہت سی احادیث شریفہ میں قرآن کریم کی تعبیرات کی طرف لطیف اشارات پائے جاتے ہیں۔

سورۃ بقرہ کی آیت شریفہ: "وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ "۔[14]

ترجمہ: اور اس وقت تک کھاؤ پیو جب تک صبح کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے ممتاز ہو کر تم پر واضح (نہ) ہو جائے۔

آپ ﷺ نے خیط ابیض اور خیط اسود کی مراد کو اپنے ارشاد مبارک سے واضح فرمایا:

" إِنَّمَا ذَلِكَ سَوَادُ اللَّيْلِ وَبَيَاضُ النَّهَار"

خیط ابیض سے مراد صبح صادق اور خیط اسود سے مراد صبح کاذب ہے[15]

مولانا محمود یوسف تفسیر قران کا دوسرا اصول تفسیر القران بالحدیث و سنت کو قرار دیتے ہیں۔ اپنی بات کی وضاحت کے لیے انہوں نے کچھ قرانی ایات کا حوالہ بھی دیا ہے۔ امام شافعی اور اپنے استاد شیخ امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری کے اقوال بھی نقل کیے ہیں۔ اقامت صلاۃ، ادائیگی زکوۃ اور حج کو بطور مثال پیش کیا ہے۔ کہ سنت کے بغیر ان عبادات پر عمل ممکن نہیں۔

"تفسیر قران کے اصول" گوگل پر موجود اس مضمون میں بھی دوسرا اصول تفسیر تفسیر القران بالحدیث اور سنت ہے۔ اس میں بھی مولانا محمد یوسف کی طرح ہی اسلوب اختیار کیا گیا ہے پہلے قرانی ایات اور اس کے بعد مثالوں سے وضاحت کی گئی ہے۔ محمد رفیق چوہدری صاحب نے تفسیر القران بالحدیث و سنت کو اصول تفسیر میں تیسرے اصول کے طور پر بیان کیا ہے۔ انہوں نے اپنی بات کی وضاحت کے لیے قران ایات کے حوالہ جات دیے ہیں۔

مفتی محمد عبدہ الفلاح نے تفسیر القران بالحدیث و سنت کو دوسرے اصول کے طور پر پیش کیا ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن کثیر کے اقوال بیان کیے ہیں۔ اسی عنوان کے تحت انہوں نے ضعیف روایات پر ہونے والے دو اعتراضات اور ان کے جوابات بیان کیے ہیں۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ اپنے مضمون میں تفسیر القران بالحدیث سنت کو الگ سے بیان نہیں کرتے۔ بلکہ "قران و سنت" کے عنوان کے تحت تفسیر القران اور تفسیر بالحدیث و سنت کو بیان کرتے ہیں اور اس حوالے سے حضرت معاذ رضی اللہ تعالی عنہ والی حدیث کا حوالہ دیتے ہیں۔

مولانا عبد الغفار حسن "تفسیر القران بالحدیث و سنت" کے عنوان کے تحت بات نہیں کرتے بلکہ ان کے نزدیک فہم قران کا چوتھا ذریعہ "اخبار آحاد" ہے یعنی قران تفسیر کے لیے نبی کریم ﷺ کی ثابت شدہ سنت کی طرف رجوع کریں اس حوالے سے انہوں نے بات کی وضاحت کے لیے تین مثالیں بیان کی ہیں۔ جہاں تک مولانا احسن اصلاحی صاحب کے اصول تفسیر کا تعلق ہے تو مولانا صاحب خارجی وسائل میں سنت متواترہ کو فہم القرآن کے حوالے سے معاون سمجھتے ہیں۔

سنت متواترہ سے مراد نبی کریمؐ کے وہ اقوال و افعال اور تقریرات جو اپنی سنت کے مطابق ہم تک پہنچی ہیں۔ ان کے نزدیک قرآن مجید اور شریعت کی اصطلاحات کا مفہوم بیان کرنے کا حق صرف نبی کریمؐ کو ہی ہیں۔ کیونکہ قرآن نبی کریمؐ پر نازل کیا گیا ہے لہذا اس کے شارح بھی نبی کریمؐ ہی ہیں۔ سر سید احمد خان کے اصول تفسیر کا اگر جائزہ لیا جائے تو ان کے طرز فکر میں حدیث و سنت کو تفسیر کا ماخذ قرار نہیں دیا گیا۔ بلکہ اگر کوئی تفسیر حدیث و سنت سے ان کے قائم کردہ اصولوں کے مطابق ہو گی تو وہ قابل قبول ہو گی۔

۳۔ تفسیر القرآن باقوال صحابہ:

جمہور کے مطابق تفسیر قرآن میں تیسرا اہم اصول تفسیر القرآن باقوال صحابہ ہے۔ یعنی یہ کہ صحابہ کرام کے مستند اقوال کی روشنی میں قرآن کی تفسیر کی جائے۔ اگر قرآن کریم کی کوئی مشکل خود قرآن وحدیث سے حل نہ ہو رہی ہو تو اقوال

صحابہ کی طرف رجوع کیا جائے۔ صحابہ کرام کے تفسیری اقوال کو اس لیے معتبر حیثیت حاصل ہے کہ وہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے قرآن سنتے تھے۔ اور بالمشافہ فیض بھی حاصل کرتے تھے۔ جب بھی کوئی مسلہ درپیش ہوتا نبی کریم صلی اللہ علیہ ہ وسلم سے براہ راست اس مسئلے کا حل دریافت کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ وحی کے گواہ ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے مفہوم اور سیاق وسباق کو بھی بخوبی جانتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام جاہلی ادب، اہل کتاب کے عادات واطوار اور لغت کے اسرار ورموز سے بخوبی واقف تھے۔ ان اصحاب نے بذات خود نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے قرآن کو سیکھا اور سمجھا۔ اور اس کام میں انہوں نے نہایت محنت اور جن فشانی سے مہارت حاصل کی کہ کوئی اور شخص اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ ان میں سے کچھ ایسے صحابہ کرام ہیں جو فہم قرآن کے ماہر شمار ہوتے ہیں اور جن کی تعریف خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے جیسا کہ عبد اللہ بن مسعود اور عبد اللہ بن عباس۔

ایک دفعہ ابن عمرؓ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور درج ذیل آیت کی تفسیر دریافت کی:

"أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا"۔[16]

ترجمہ: کیا کفار نے دیکھا نہیں کہ آسمان وزمین بند تھے پھر ہم نے ان کو کھول دیا۔

ابن عمر نے اس سے فرمایا کہ تم ابن عباس کے پاس جاؤ اور ان سے اس کی تفسیر معلوم کرو اور وہ جو تفسیر بتائیں وہ مجھے بھی بتاتے جانا، وہ شخص ابن عباس پاس پہنچا اور درج بالا آیت کی تفسیر پوچھی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: آسمان خشک تھے ان سے بارش نہیں ہوتی تھی اور زمین بانجھ تھی اس سے کچھ اُگتا نہیں تھا، بارش کے طفیل یہ پودے اگانے لگی؛ گویا آسمان کا فتق (پھٹنا) بارش کے ساتھ ہے اور زمین کا پھل پودے اگانے سے۔ اس شخص نے ابن عمر کو جب یہ تفسیر بتائی تو انھوں نے فرمایا کہ اللہ تعالی کی جانب سے ان کو خصوصی علم عطا ہوا ہے۔

اگر تفسیر القرآن باقوال صحابہ کے حوالے سے مولانا اصلاحی صاحب کی رائے کا جائزہ لیا جائے تو احادیث واثار کے رد وقبول کے حوالے سے ان کی رائے مختلف ہیں۔ یعنی یہ کہ مولانا صحیح احادیث کو قطعی حجت تو تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن اس کے معیار میں ایک جگہ یہ اختلاف کرتے ہیں کہ اگر کوئی حدیث یا آثار صحت کے تمام معیارات پر پوری اترتی ہے لیکن ان کے تصور نظم قرآن سے متصادم ہے اور دونوں میں موافقت کی کوئی صورت نہیں تو وہ اسے آیت قرآن کی روشنی میں رد کر دیتے ہیں۔ لیکن خود ان کے ہاں ایسا بہت کم ہوا ہے کہ کسی صحیح حدیث کو قبول نہ کیا گیا ہو۔

اس اصول یعنی تفسیر القرآن باقوال صحابہ کے حوالے سے سر سید کی رائے بھی جمہور سے مختلف ہے۔ وہ قرآن کی تفسیر میں عقل اور دلائل کو ہی زیادہ فوقیت دیتے ہیں۔ اور احادیث اور آثار صحابہ سے صرف نظر کرتے ہیں۔

۴۔ تفسیر القرآن بلغۃ العربیہ:

یعنی یہ کہ قرآن مجید کی کسی آیت یا کسی لفظ کی تشریح اہل عرب کے اشعار اور عربی محاورات کے مطابق کی جائے۔ جمہور کے نزدیک قرآن مجید کے فہم کے لیے ایک ذریعہ عربی زبان بھی ہے۔ تفسیر قرآن کے لیے عربی زبان کا جاننا نہایت ضروری ہے۔ بعض لوگ عربی نہیں جانتے لیکن قرآن کے مفسر بن جاتے ہیں۔ یہ نہایت غیر ذمہ دارانہ حرکت ہے کہ عربی زبان نہ آنے کے باوجود بھی انسان قرآن مجید کی تفسیر بیان کرتا ہو۔ مفسر قرآن کے لیے ضروری ہے کہ اس سے کم از کم اتنی عربی تو آتی ہو کہ قرآن مجید کو سمجھ سکے۔ اگر زبان سے واقفیت ہو گی تو پھر ہی قرآن مجید کا فہم، اس کی حلاوت وشیرینی سے

محفوظ ہو جا سکے گا۔ فہم قرآن کے لیے عربی زبان کا پورا لحاظ رکھا جائے۔ یعنی قرآنی الفاظ کے وہی معنی مراد لیے جائیں جو نزول قرآن کے وقت لیے جاتے تھے۔ کیونکہ قرآن اپنے دور کے عربوں کی فصیح و بلیغ زبان میں اترا ہے۔

مشہور ماہر لغت ابو ذکریا الفرا کا قول ہے کہ:

"بے شک قرآن کی زبان نہایت اعلی فصیح عربی اسلوب میں ہے"

علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ ابن عباس صحن کعبہ میں تشریف فرما تھے سوال کرنے والوں کا ایک ہجوم تھا دو آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم آپ سے تفسیر قرآن کے متعلق کچھ سوالات کرنا چاہتے ہیں، ابن عباس نے فرمایا دل کھول کر پوچھیے، انھوں نے پوچھا کہ آپ اس آیت باری تعالی کی تفسیر بتایئے: "عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِينَ"۔[17]

دائیں بائیں حلقے باندھے ہوں گے۔

ابن عباس نے فرمایا عزین کے معنی ہیں ساتھیوں کے حلقے، انھوں نے پھر سوال کیا کہ کیا اہل عرب اس معنی سے واقف ہیں؟ ابن عباس نے فرمایا: جی ہاں پھر آپ نے عبید بن الابرص کا شعر پڑھا فَجَاؤُا يُهْرَعُوْنَ إِلَيْهِ حَتَّ يَكُوْنُوْا حَوْلَ مِنْبَرِهِ عِزِيْنًا وہ لوگ اس کی طرف بھاگتے ہوئے آتے ہیں اس کے منبر کے گرد حلقہ باندھ لیتے ہیں۔ دیکھیے یہاں ابن عباس نے آیت بالا کی تفسیر لغت عرب کی مدد سے کی ہے۔ حضرت مولانا محمد یوسف اپنے مضمون "تفسیر قران کے آداب" میں عربی زبان کو اصول تفسیر میں شامل نہیں کرتے۔ "تفسیر قران کے اصول" اس مضمون میں عربی زبان کو اصول تفسیر میں شامل کیا گیا ہے یعنی یہ کہ قران مجید کی کسی آیت یہ کسی لفظ کی تشریح اہل عرب کے اشعار اور عربی محاورات کے مطابق کی جائے۔

محمد رفیق چوہدری صاحب نے فہم قران کے لیے عربی زبان کو اصول تفسیر میں چھٹے نمبر پر رکھا ہے۔ ان کے مطابق صحیح فہم قران کے لیے عربیت کا لحاظ رکھنا بنیادی شرط ہے کیونکہ اسی زبان میں قران پاک نازل ہوا ہے لہذا فہم قران کے لیے قدیم مستند عربی لغات سے بھی استفادہ کرنا چاہیے اس کے علاوہ جاہلی ادب کا مطالعہ بھی ناگزیر ہے۔

مفتی محمد عبدہ الفلاح نے اپنے مضمون میں "لغت و محاورات" کے عنوان کے تحت اس بات کو بیان کیا ہے۔ ان کے مطابق اگر کتاب و سنت اور اقوال صحابہ سے کسی آیت کے مفہوم پر روشنی نہ پڑتی ہو تو لغت عرب اور محاورات کی طرف رجوع کرنا ہو گا۔ کیونکہ خود صحابہ کرام بھی قران فہمی کے لیے اس اصل کی طرف استفادہ کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے اس اصول پر تفصیلی بات کی ہے۔ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ نے اپنے مضمون میں عربی زبان کو اصولِ تفسیر میں شامل نہیں کیا ہے۔

مولانا عبد الغفار کے نزدیک قران فہمی کا چھٹا ذریعہ عربی زبان ہے۔ تفسیر قران کے لیے عربی زبان کا جاننا ضروری ہے۔ ان کے نزدیک یہ نہایت غیر ذمہ دارانہ بات ہے کہ آدمی قران مجید کی تفسیر بیان کرتا ہوں لیکن عربی زبان سے نابلد ہو۔ انہوں نے اس بات کی بھی وضاحت کی ہے کہ قران فہمی کے لیے صرف لغت ہی کافی نہیں ہے یعنی ایسا نہیں کہ آپ سنت کو چھوڑ کر محض لغت کو لے کر بیٹھے رہے۔

جبکہ اصلاحی صاحب نے تفسیر قرآن کے لیے جن داخلی وسائل کا تذکرہ کیا ہے ان میں سب سے پہلے نمبر پر قرآن مجید کی زبان ہی ہے۔ ان کے نزدیک اگر آپ نے اس کلام کے مفہوم کو سمجھنا ہے تو سب سے پہلے جس چیز پر گرفت رکھنی ہو گی وہ زبان ہی ہے یعنی زبان کی ترکیب، اسلوب، بلاغت اور نزاکت کو سمجھے بغیر اس کے معنی و مفہوم کا ادراک ناممکن ہے۔ سر سید

بھی جمہور کی طرح اس بات کے قائل ہیں کہ تفسیر قرآن میں عربی زبان کو اہم مقام حاصل ہے کیونکہ عربی جانے بغیر قرآن کے معنی و مطالب کا صحیح فہم حاصل نہیں ہو سکتا

۵۔ تفسیر القرآن بالشان نزول

جمہور کے نزدیک شان نزول کو بھی تفسیر قرآن کے اصولوں میں شامل کیا جاتا ہے۔ یعنی یہ کہ قرآن مجید کی سورتوں اور آیتوں کی تفسیر ان کے شان نزول کے لحاظ سے کی جائے۔ فہم قرآن میں شان نزول کی بڑی اہمیت ہے۔ شان نزول سے مراد وہ خاص پس منظر اور مخصوص حالات و واقعات ہیں جن میں قرآن کی بعض سورتوں اور ایتوں کا نزول ہوا۔ یعنی یہ کہ قرآن کریم کی سورتوں کو شان نزول جانے بغیر نہ تو صحیح طرح سمجھا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان کی درست تفسیر ہو سکتی ہے۔

بہر حال اسباب نزول کی اہمیت کے پیش نظر علماء کرام نے اس کو مستقل فن کی حیثیت دی اور اس پر کتابیں بھی تالیف کی۔ لہذا جن علماء نے اس کی افادیت اور تاریخی حیثیت کو بے فائدہ کہا ان کا موقف سراسر غلط فہمی پر مبنی ہے۔ جبکہ دیگر علماء کرام نے اس میں غلو کرتے ہوئے یہاں تک لکھ دیا کہ اسباب نزول کی معرفت کے بغیر قرآن کی تفسیر نہیں ہو سکتی۔ علامہ جلال الدین سیوطی اس فن کی معرفت کے بغیر تفسیر قرآن کو حرام قرار دیتے ہیں۔ یہ دونوں گروہ افراط و تفریط میں مبتلا ہیں۔ اصل میں صحیح موقف ان کے درمیان اعتدال میں ہے۔

حافظ ابن تیمیہ اپنے مقدمہ التفسیر میں لکھتے ہیں:

سبب نزول کی معرفت آیت کے سمجھنے میں معاون ہے کیونکہ سبب کی معرفت کے ذریعے مسبب تک رسائی ہو جاتی ہے۔

صفا و مروہ کے درمیان سعی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ [18]

ترجمہ: صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں، اس لیے بیت اللہ کا حج و عمرہ کرنے والے پر ان کا طواف کر لینے میں کوئی گناہ نہیں، اپنی خوشی سے بھلائی کرنے والوں کا اللہ تعالیٰ قدردان ہے اور انہیں خوب جاننے والا ہے"۔

صفا و مروہ کی سعی فرض ہے، لیکن قرآن کے الفاظ (کوئی گناہ نہیں) سے بعض صحابہ کو یہ شبہ ہوا کہ شاید یہ ضروری نہیں، عروہ بن زبیر نے سیدہ عائشہ سے اس بارے میں استفسار کیا اور کہا: میرے خیال میں تو سعی چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں، تو سیدہ عائشہ نے فرمایا: کلا، لو کانت کما تقول کانت: "فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ لَّا يَطَّوَّفَ بِهِمَا قطعا نہیں! اگر آیت کا یہی مفہوم ہوتا جیسے تم کہہ رہے ہو تو یہ آیت اس طرح ہوتی: " فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ لَا يَطَّوَّفَ بِهِمَا، اگر ان کا طواف نہ کرے تو کوئی گناہ نہیں، پھر انہوں نے شانِ نزول بیان کیا اور اس کی روشنی میں صحیح مطلب واضح کیا۔

مولانا محمد یوسف نے " تفسیر القران بالشان نزول " کو اپنے مضمون میں شامل نہیں کیا۔ " تفسیر قران کے اصول " اس مضمون میں بھی تفسیر القران بشان نزول کو اصول تفسیر میں شامل نہیں کیا گیا۔ محمد رفیق چوہدری نے " تفسیر القران بالشان نزول " کو اصول تفسیر میں ساتویں نمبر پر بیان کیا ہے ان کے نزدیک قران مجید کی سورتوں اور آیات کی تفسیر ان کے شان نزول

کے لحاظ سے کی جائے ۔انہوں نے اس حوالے سے مثالیں بیان کی ہیں۔امام بدرالدین زرکشی کی کتاب "البرہان فی علوم القران"کا حوالہ دیا ہے۔ مفتی محمد عبدہ الفلاح نے بھی اسباب نزول کو اصول تفسیر میں شامل کیا ہے۔ان کے نزدیک اسباب نزول کے علم سے چونکہ آیت کا پس منظر سمجھ آتا ہے اور آیت کے سبب سے جہالت بسا اوقات حیرت کا موجب بنتی ہے اسی لیے اسباب نزول کی معرفت کو علم تفسیر میں خاص اہمیت حاصل رہی ہے۔انہوں نے بھی امام سیوطی اور امام ابن تیمیہ کہ اقوال بیان کیے ہیں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ نے شانِ نزول کو اصولِ تفسیر میں شامل نہیں کیا۔ مولانا عبد الغفار حسن نے بھی شانِ نزول کو اصولِ تفسیر میں شامل نہیں کیا۔ شان نزول میں بھی مولانا اصلاحی صاحب کا طریقہ کار عام مفسرین سے ہٹ کر ہے۔ان کی رائے میں شان نزول سے مراد کسی سورت کے نزول کا سبب نہیں ہوتا بلکہ اس سے مراد لوگوں کے حالات و کیفیت ہوتے ہیں۔ جس پر کلام کا نزول ہوتا ہے-چونکہ سر سید تفسیر قرآن میں نقل سے زیادہ عقل پر زور دیتے ہیں اس لیے ان کے نزدیک شان نزول کی بھی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔

۶-تفسیر بالرائے:

زیر تحقیق مضامین میں اصول تفسیر کے ساتھ ساتھ تفسیر بالرائے پر بھی علمائے کرام میں اپنی آرا کا اظہار کیا ہے۔ تفسیر بالرائے سے مراد یہ ہے کہ "علم کے بغیر قرآن کی من مانی تفسیر کرنا"۔ کوئی ایسی تفسیر کرنا جس میں کوئی شخص یہ نہ دیکھے کہ قرآن کیا کہتا ہے بلکہ یہ دیکھے کہ اس کی اپنی خواہش یا پہلے سے قائم کی ہوئی کوئی رائے کیا چاہتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس نے علم کے بغیر قرآن کے بارے میں کوئی بات کہی وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔"[19]

اس سے معلوم ہوا کہ حدیث میں "رائے" کا لفظ اپنے لغوی معنوں میں نہیں بلکہ ایک اصطلاح کے طور پر آیا ہے جس کا مطلب ہے علم کے بغیر قرآن کی من مانی تفسیر کرنا۔ جمہور کے نزدیک مفسر پر یہ فرض ہے کہ تفسیر بالرائے سے اجتناب کریں۔ کیونکہ اس بارے میں سخت وعید ائی ہے۔ البتہ اگر تفسیر کے اصولوں اور اسلام کے اجتماعی طور پر طے شدہ ضوابط کی پابندی کرتے ہوئے اگر تفسیر میں کسی ایسی رائے کا اظہار کیا جائے جو قرآن و سنت کی خلاف نہ ہو تو حدیث کی وعید میں داخل نہیں۔ سلف صالحین بھی حتی الامکان تفسیر بالرائے سے گریز کیا کرتے تھے۔ یعنی بغیر علم کے تفسیر میں دخل نہیں دیتے تھے۔ لیکن جس شخص کو شریعت اور لغت کے اعتبار سے علم حاصل ہو اس کے لیے تفسیر کرنے میں مضائقہ نہیں۔

مولانا محمود یوسف بھی تفسیر بالرائے کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہیں۔ان کے مطابق مفسر کا یہ فرض ہے کہ تفسیر بالرائے سے اجتناب کریں کیونکہ تفسیر بالرائے حرام ہے اور اس پر سخت وعید ائی ہے۔اس حوالے سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بیان کی ہیں۔ اور تفسیر بالرائے کے حوالے سے اہل علم کے اقوال بھی نقل کیے ہیں۔ انہوں نے اس پر تفصیلی بات کی ہے۔ گوگل پر موجود مضمون میں بھی تفسیر بالرائے پر بات کی گئی ہے۔اس میں دو احادیث بھی اس حوالے سے بیان کی گئی ہیں۔

محمد رفیق چوہدری صاحب نے بھی اس عنوان پر تفصیلی بات کی ہے۔ محترم تفسیر بالرائے کی تعریف کے ساتھ وضاحت کے لیے احادیث بیان کرتے ہیں۔ اور تفسیر بالرائے کی دو اقسام:

1۔ تفسیر بالرائے محمود

2۔ تفسیر بالرائے مذموم

بیان کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی تفسیر بالرائے مذموم کی نو صورتیں بیان کی ہیں۔ مفتی محمد عبدہ الفلاح میں اپنے مضمون میں تفسیر بالرائے پر کوئی بات نہیں کی۔ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ نے اپنے مضمون میں تفسیر بالرائے کو "حرام" قرار دیا ہے۔ ان کے مطابق تفسیر بالرائے سے سلف صالحین گریز کیا کرتے تھے۔ اس کے تحت انہوں نے 13 اقوال بھی درج کیے ہیں۔ مولانا عبد الغفار حسن میں اپنے مضمون میں اس عنوان کے تحت کوئی بات نہیں کی۔ جبکہ سرسید احمد خان اور مولانا احسن اصلاحی صاحب تفسیر بالرائے کی حامی ہیں۔ اور اس طرح کی تفسیر کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اور ان دونوں نے اپنی تفاسیر میں اسی اسلوب کو اختیار کیا ہے۔ اصلاحی صاحب کے نزدیک ایسی تفسیر بالرائے جس کی بنیاد قرآن کے الفاظ، سیاق وسباق اور سورہ کا نظم نہ ہو وہ قابل قبول نہیں۔

خلاصہ بحث:

قرآن مجید کے ترجمہ اور تفسیر کی ضرورت ہر دور میں رہی ہے اور علماء اسلام نے اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے قیمتی اور قابل قدر کام کیا ہے۔ اس تحقیق کے لیے "اصول تفسیر" کے عنوان کے تحت جن میں مضامین کا انتخاب کیا گیا ان کے تعارفی اور تجزیاتی مطالعے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ جمہور کے نزدیک اصول تفسیر میں سب سے اہم اصول تفسیر القرآن بالقرآن ہے۔ یعنی کہ تمام علماء کرام اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن کا فہم حاصل کرنے کے لیے سب سے اہ ذریعہ خود قرآن ہی ہے۔ تفسیر القرآن بالحدیث سنت اور تفسیر القرآن باقوال صحابہ جمہور کے نزدیک ان اصولوں کی اہمیت بھی مسلم ہیں اور تمام علماء کرام ان کو تفسیر کے حوالے سے اہم اصول گردانتے ہیں جبکہ سرسید احمد خان کے نزدیک تفسیر کے لیے حدیث رسول ﷺ، اثار صحابہ اور مفسرین کے اقوال کی چندہ ضرورت نہیں۔ اسی طرح اصول تفسیر میں اگر عربی زبان کی بات کی جائے تو تمام ہی علماء کرام قرآن کے فہم کے لیے اس کو بنیادی اصول قرار دیتے ہیں۔ جبکہ اصلاحی صاحب تو تفسیر قرآن کے داخلی مسائل میں اس کو پہلے نمبر پر لے کراتے ہیں۔

جمہور کے نزدیک اصول تفسیر کے حوالے سے شان نزول کو بھی اہم حیثیت حاصل ہے۔ سرسید اس کی اہمیت کا انکار کرتے ہیں جبکہ اصلاحی صاحب کی رائے میں شان نزول سے مراد کسی سورت کہ نزول کا سبب نہیں بلکہ اس سے مراد لوگوں کے حالات و کیفیت ہیں جس پر کلام کا نزول ہوتا ہے۔ یہ وہ تمام عنوانات ہیں جن پر تمام علماء کرام نے بات کی ہے لیکن اس کے علاوہ کچھ ایسے بھی عنوانات ہیں۔ جن پر فرداًفرداًبات کی گئی ہیں۔ مثلا محمد رفیق چوہدری صاحب اصول تفسیر میں ناسخ و منسوخ کی پہچان کو بھی شامل کرتے ہیں۔ جبکہ مولانا محمد یوسف لدھیانوی اس بات کے قائل ہیں کہ مفسر اہل حق کے عقائد و اعمال اور اخلاق کا پابند نہ ہو اور بدعت اور کجروی سے مفسر کا ذہن پاک ہو۔ مفتی محمد عبدہ فلاح اور شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ نے اسرائیلی روایات کو بھی اصول تفسیر میں شامل کیا ہے۔ جبکہ مولانا عبد الغفار حسن تعامل امت اور اخبار احاد کو اصول تفسیر میں شامل کرتے ہیں۔

اصلاحی صاحب کا انداز تفسیر جمہور سے کچھ مختلف ہیں۔ مولانا صاحب تفسیر قرآن کے لیے جن ذرائع اور وسائل کو استعمال کرتے ہیں ان کو وہ خارجی اور داخلی وسائل میں تقسیم کرتے ہیں۔ داخلی مسائل میں قرآن مجید کی زبان، نظم قرآن مجید اور تفسیر القرآن بالقرآن شامل ہے۔ جبکہ خارجی مسائل میں سنت متواترہ، احادیث و اثار صحابہ، شان نزول، کتب تفسیر، قدیم

اسمانی صحیفے اور تاریخ عرب شامل ہیں۔ جبکہ اگر بات کی جائے سرسید احمد خان کے اصول تفسیر کی تو ان کے اصول تفسیر جمہور سے بالکل ہی مختلف ہیں کیونکہ یہ نقل سے زیادہ عقل پر زور دیتے ہیں۔ ان کے اصول تفسیر کو ان دو بنیادی نکات میں پیش کیا جاسکتا ہے:

ا- قرآن اور فطرت میں لازمی مطابقت اور خلاف قانون فطرت ایات کی تاویل، کیونکہ قرآن کلام خداوندی اور کائنات کام خداوندی ہے اور ان دونوں میں تعارض نہیں ہونا چاہیے۔ یعنی ورک اف گاڈ اور ورڈ اف گاڈ دونوں الگ نہیں ہوسکتے۔

۲- عقل کی برتری یعنی اگر کوئی آیت عقل سے ٹکرا رہی ہو تو اس کی ایسی تاویل کی جائے کہ وہ عقل کے مطابق ہو جائے۔

کیونکہ ان کے اصول تفسیر جمہور امت کے لیے قابل قبول نہیں ہیں اس ہی بنا پر سرسید احمد خان کی تفسیر کو تفسیر بالرائے المذموم میں شمار کیا جاتا ہے۔

حوالاجات

[1] rekhtadictionary.comhttps://www.

[2] https://ur.wikipedia.org

[3] البحر المحیط، مقدمہ المولف، الترغیب فی تفسیر القرآن۱۱۸/۱۱۹-۱

[4] مقدمہ تفسیر، ص۳

[5] البقرہ۲:۳۷

[6] الاعراف۷:۲۳

[7] التکاثر۱۰۸:۱

[8] الحدید۱۵۷:۲۰

[9] مولانا امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن لاہور، ۱۹۸۰ء، جلد نمبر ا,ص ۲۳

[10] ڈاکٹر، محمد شہباز منج، بر صغیر کے اہل تفسیر پر مغربی فکر و تہذیب کے اثرات، لاہور، القمر پبلیکیشنز، ۲۰۲۲

[11] آل عمران۳:۱۶۴

[12] فتاوی ابن تیمیہ: ج۳، ص ۳۶۳

[13] تفسیر ابنِ جریر، ص:۲۸

[14] البقرۃ۲:۱۸۷

[15] بخاری، بَاب قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى، وَكُلُوا وَاشْرَبُوا، حدیث نمبر۱۷۸۳:

[16] الانبیاء:۲۱

[17] المعارج:۳۷

[18] البقرۃ:

[19] الترمذی مشکوۃ، ص:۳۵